قرآنی طرزِ زندگی کی ضرورت عصر حاضر کے تناظر میں

شجاعت حسین[1]

خلاصہ

خداوندِ عالم نے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی یہ بتادیا کہ وہ اس دنیا میں زندگی کیسے گزارے گا؟ کوئی روش تو ہو جس کی پیروی کرتے ہوئے وہ اس زندگی سے مکمل طور پر مستفید ہو سکے اور اس دنیا میں قابل نمونہ زندگی بسر کر سکے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے قرآن کی رو سے زندگی کے اصول و قواعد کو بیان کرنا مقصود ٹھہرا ہے۔ آج کی اس جدید دنیا میں جہاں اور بہت سے زندگی گزارنے کے طاغوتی نظام ہیں جو انسان کی مقدس اور بامقصد زندگی کو جہنم کے دھانے تک پہنچانے کے لیے کافی ہیں وہاں قرآنی طرزِ زندگی اپنا کر کامیاب ہو سکے۔ قرآن پاک کی سورہ انعام میں ۱۵۲، ۱۵۳ آیات میں زندگی کی ان خصوصیات کا ذکر ہے، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عربوں کو تعلیم دیں، ان آیات میں اللہ تعالی نے دس ایسے نکات کی طرف اشارہ کیا ہے جو کسی بھی معاشرے کے لیے ضابطے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہترین معاشرے کے قیام کے لیے ان دس نکات کو مشعلِ راہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس مقالہ میں قرآنی معاشرہ کے نظریات پر بحث کریں گے، اسی طرح قرآنی طرز زندگی میں معاشرتی معاملات کو منظم کرنے کے لیے کیا رہنمائی کی گئی ہے؟ اسے جاننے کی کوشش کریں گے۔ اس سے ہمیں رہنمائی ملے گی کہ اگر آج ہم انفرادی یا اجتماعی زندگی کو بہتر بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں کون سے اقدامات کرنا ہوں گے۔

اہم الفاظ: قرآنی نظام، نمونہ، والدین، پہلو، زندگی، شریک

مقدمہ

خالقِ کائنات نے کائنات کو خلق کر کے اس میں اپنی پیاری مخلوق حضرتِ انسان کو اس میں رکھا تاکہ وہ اس کائنات کو بسائے اور اس میں موجود نظام کے مطابق اپنی زندگی گزارے، ایک انسان سے جب دو خلق ہوئے تو ان میں احتیاج پیدا ہو گئی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے، دو سے تین، تین سے چار اور پھر ایک

[1] ۔ کارشناسی، رشتہ: فقہ و معارف

پوری دنیاآباد ہو گئی،اس دنیامیں رہنے والے انسان اگر خود غرض اور خود پسند ہوتے تو اس دنیا کا نظم و نسق فناہو کر رہ جاتا،اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان احتیاج کو رکھا تاکہ حضرت انسان آپس میں مل کر رہیں اور وقت آنے پر ایک دوسرے کی مدد کریں اور اسی نظام کو معاشرہ کہا جاتا ہے۔انسان کو انسان کہنے کی بھی شاید یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ انس و محبت سے رہے اور ایک دوسرے کی ذمہ داریوں کا خیال رکھے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہو، بقول شاعر:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

معاشرہ آئین ودساتیر کا مجموعہ ہوتا ہے جس میں ہر شخص فرداً فرداً اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوتا ہے اور اس معاشرے کو خوب سے خوب تر بنانے کی سعی و کوشش کرتا ہے۔اس تمام جدوجہد میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ قوانین ودساتیر کس نے مرتب کیے ہیں اور ان دساتیر کا مقصد نہائی کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت کے ساتھ ہی اس کی ہدایت کی ذمہ داری اٹھاتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کو خلق کیا اور اسی کے ساتھ کچھ انبیاء علیہم السلام کتب عطا فرمائیں تاکہ حضرتِ انسان ان قوانین کو پڑھ کر اور انبیاء علیہم السلام سے ہدایت لے کر اپنی زندگی کو احسن بنا سکے اسی طرح قرآن نے بھی زندگی کے قوانین کو بیان کیا ہے جو کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی زبانِ وحی کو مس کرتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں اور ان قوانین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مختلف سوروں میں بیان فرمایا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے اس پُرآشوب زمانے میں جہاں اور بہت سے طاغوتی نظام ہائے زندگی (یورپی نظامِ زندگی و امریکی نظامِ زندگی) موجود ہیں، وہاں ہمیں اس نظامِ زندگی کو بھی واضح کرنا چاہیے کہ جس کے مطابق انسان عمل کر کے اپنی دنیا و آخرت کو بہتر بنا سکتا ہے۔قرآن مجید میں مختلف جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ان قوانین کو بیان فرمایا۔سورہ انعام کی آیات ۱۵۱، ۱۵۲ میں اللہ تعالیٰ نے دس نکات میں ان تمام قوانین کو بیان فرمادیا ہے جو ایک متدین اور الٰہی زندگی کا خاصہ ہیں۔ان قوانین کو اگر ترتیب دی جائے تو یہ تین طرح کے نظام بنتے ہیں جن پر انسان کی مکمل زندگی منحصر ہے جو کہ مذہبی، معاشرتی اور عدل و انصاف کا نظام ہے۔

قرآن

قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو آخری بنی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی اس کے نزول کا زمانہ ۲۳ سال کے لگ بھگ ہے اور یہ کتاب ایک ایسے معاشرے میں نازل ہوئی جو جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اپنی پیدا کردہ اولاد کو زندہ در گور کر دیتے تھے، آدم کجا آدمیت کی دھجیاں بکھیرتے تھے اخلاقیات کے جنازے نکالتے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے مرسل آخر ﷺ نے وہ کام کیا کہ وہ عرب معاشرہ دنیا کو تہذیب واخلاق کا درس دینے لگا۔ یہ سب اثر اس ختم الرسل ﷺ اور اس کی آخری کتاب کا تھا جس کا نام قرآن مجید ہے۔

قرآن کا لغوی مفہوم

اس آسمانی کتاب کے سارے ناموں یا صفات میں قرآن کا لفظ ہی زیادہ رواج پا گیا ہے اور ساری دنیا میں خدا کی کتاب کے لیے یہی نام زیادہ جانا پہچانا جاتا ہے۔ دوسرے ناموں سے پہلے ہم اسی نام کو خود قرآن مجید کی آیات کی نظر سے زیر غور لاتے ہیں۔ اس کتاب کو یہ نام پیغمبر اکرم ﷺ یا صحابہؓ نے نہیں دیا، خداوند تعالیٰ نے خود اس آسمانی کتاب کا نام قرآن رکھا ہے۔ چنانچہ نزول وحی کے شروع سالوں میں ہی فرمایا:

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ[1]

بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے۔ لوح محفوظ میں (ثبت) ہے۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ O فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ[2]

کہ یہ قرآن یقینا بڑی تکریم والا ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں ہے۔

اسی طرح ایک جگہ اس طرح بھی فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ O قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا O نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا O أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا[3]

---

[1]۔ البروج ۲۲،۲۱

[2]۔ مزمل ۷۸،۷۷

[3]۔ المزمل، ۴،۳،۲،۱

اے کپڑوں میں لپٹنے والے ! رات کو اٹھا کیجیے مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لیجیے، یا اس پر کچھ بڑھا دیجیے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے۔

اے چادر میں لپٹے ہوئے (ﷺ) تم رات کو اٹھا کرو تو تھوڑا اٹھا کرو اس رات کا نصف یا اس سے تھوڑا کم کر دو یا اس پر زیادہ کر دو اور تم قرآن کھول کھول کر ترتیل کے ساتھ پڑھو۔

پورے قرآن میں لفظ قرآن ۶۸ بار آیا ہے ان ۶۸ بار میں دو مرتبہ مجازاً نماز کے لیے استعمال ہوا ہے علمائے اسلام میں اس لفظ کے تلفظ اشتقاق اور معنی میں اختلاف ہے، مختلف تلفظ کرتے ہیں اور اس کی دلیل پیش کرتے ہیں اس میں سے بعض اس کو ہمزہ کے ساتھ یعنی قران کہتے ہیں، بعض بغیر ہمزہ کے یعنی قرآن کہتے ہیں، اہل تسنن اس کو کریم کی صفت کے ساتھ پکارتے ہیں یعنی القراان الکریم۔ اکثر اہل تشیع اس کے لیے صفت مجید استعمال کرتے ہیں اور قرآن مجید کہتے ہیں۔

لغت کی مختلف کتابوں میں لفظ قرآن کے مختلف معانی حاصل ہوتے ہیں

ا۔ صاحب معجم الصحاح نے قرآن کی تعریف حضرت ابو عبیدہ سے یوں نقل کی ہے:

قال ابو عبیدہ سمی القرآن لانہ یجمع السورفیضمھا،وقولہ التعالیٰ ان علینا سمعہ وقرآنہ[1]

ابو عبیدہ نے کہا: قرآن کو "قرآن" اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مختلف سورتوں کو جمع کرتا ہے اور آپس میں مربوط کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "یقیناً اس کا جمع کرنا اور (تم پر) پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔"

۲۔ معجم المقاییس فی اللغہ میں درج ہے کہ:

القرآ ن کانہ سمی بذلک لجمعہ ما فیہ من الاحکام و القصص وغیر ذلک[2]

قرآن کو قرآن اس لیے کہا گیا گویا کہ وہ اپنے اندر احکام، واقعات اور دیگر مضامین کو جمع کیے ہوئے ہے۔

[1]۔ امام اسماعیل بن حماد الجوہری، معجم الصحاح، ص ۸۴۵

[2]۔ احمد بن فارس بن زکریا، معجم المقاییس، ص ۸۸۴

۳۔ معجم الوسیط میں اس کی تعریف یوں آئی ہے:

محمد ﷺ پر نازل ہونے والا کلام جو کہ مصاحف میں مکتوب ہے قرآن کہلاتا ہے۔[1]

قرآن اصطلاح میں:

کتاب التعریفات میں قرآن کی تعریف اس طرح درج ہے:

القرآن هو المنزل على الرسول ﷺ المكتوب فى المصاحف المنقول عنه نقلاً متواتراً بلا شبهة، والقرآن عند اهل الحق هو العلم اللدنى الاجمالى الجامع للحقائق كلها، احكام القرٓن:قد اشتمل القرآن على احكام كثير متنوعه يمكن تقسيمها الى ثلاثة اقسامٍ:

١-احكام متعلقة بالعقيدة : كا لايمان بالله وملائكته و كتبه و رسله و اليوم الاخر-

٢-احكام تتعلق بتهذيب النفس وتقويمها:وهذه هى الاحكام الاخلاقيه

٣-احكام عمله متعلقه باقوال و افعال المتكلفين: وهى المقصودة بالفقه-[2]

قرآن وہ کتاب ہے جو رسولِ اکرم ﷺ پر نازل کی گئی، مصحفوں میں لکھی گئی، اور آپ ﷺ سے بغیر کسی شبہے کے تواتر کے ساتھ منقول ہوئی۔

اہلِ حق کے نزدیک قرآن وہ اجمالی (جامع) لدنی علم ہے، جو تمام حقائق کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

قرآن کے احکام: قرآن پاک میں مختلف اور کثیر احکام شامل ہیں، جنہیں تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

عقیدے سے متعلق احکام: جیسے اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنا۔

1۔ ابراہیم مصطفیٰ و دیگران، معجم الوسیطص ۸۷۲

2۔ محمد شریف الجرجانی، کتاب التعریفات، ص ۲۵۳

نفس کی تہذیب اور اصلاح سے متعلق احکام: یہ اخلاقی احکام ہیں، جو انسان کی سیرت و کردار سنوارنے سے متعلق ہیں۔

عملی احکام جو مکلف انسانوں کے اقوال و افعال سے متعلق ہیں: یہی وہ احکام ہیں جو فقہ کا موضوع ہیں۔

قرآن کی خصوصیات:

قرآن کے مفہوم کو لغت میں دیکھنے کے بعد ہم اس قابل ہوگئے ہیں کہ اس مصحف کے نزول کے مقصد کو درک کر سکیں اور اس کے ذریعے اپنے مقاصد کو حاصل کر سکیں۔

اب ہم اس مصحفِ آخر کی ان خصوصیات کو ذکر کرتے ہیں جو اس مصحف کے ساتھ مخصوص ہیں:

پہلی خصوصیت:

قرآن کریم بلاغت کے اس اعلیٰ معیار پر پہنچا ہوا ہے کہ جس کی مثال انسانی کلام میں قطعی نہیں ملتی۔ بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر کلام کیا جائے اس کے مناسب معانی کے بیان کے لیے بہترین الفاظ اس طرح منتخب کیے جائیں کہ مدعا کے بیان کرنے میں اور اس پر دلالت کرنے میں نہ کم ہوں اور نہ زیادہ ہوں، لہذا جس قدر الفاظ زیادہ شاندار اور شگفتہ معانی ہوں گے، اور کلام کی دلالت جس قدر حال کے مطابق ہوگی اتنا ہی وہ کلام زیادہ بلیغ ہوگا، پس قرآن کریم بلاغت کے اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

قرآن کی بلاغت کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

الف) ترغیب کا مضمون: ترغیب کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ [1]

اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کے صلے میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان پردہ غیب میں موجود ہے۔

ب) ترہیب کا مضمون: جہنم کے عذاب سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

[1] السجدہ ۱۷

وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ O مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ O يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ [1]

اور انبیاء نے فتح و نصرت مانگی تو ہر سرکش دشمن نامراد ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد جہنم ہے اور وہاں اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیے گا مگر وہ اسے نہایت ناگوار گزرے گا، اسے ہر طرف سے موت آئے گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا اور اس کے پیچھے (مزید) سنگین عذاب ہو گا۔

ج) **دھمکی اور ملامت:** اللہ تعالیٰ دنیاوی عذاب کی دھمکی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ [2]

پس ان سب کو ان کے گناہ کی وجہ سے ہم نے گرفت میں لیا پھر ان میں سے کچھ پر تو ہم نے پتھر برسائے اور کچھ کو چنگھاڑ نے گرفت میں لیا اور کچھ کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا مگر یہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔

د) **وعظ و نصیحت:** وعظ و نصیحت کا مضمون ارشاد فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ O ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ O مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يُمَتَّعُونَ [3]

---

[1]۔ الابراہیم ۱۵-۱۶

[2]۔ العنکبوت ۴۰

[3]۔ الشعراء ۲۰۵،۲۰۶،۲۰۷

مجھے بتلاؤ کہ اگر ہم انہیں برسوں سامان زندگی دیتے رہیں، پھر ان پر وہ عذاب آجائے جس کا ان کے ساتھ وعدہ ہوا تھا، تو وہ (سامان زندگی) ان کے کسی کام نہ آئے گا جو انہیں دیا گیا تھا۔

ذات وصفات کا بیان

قرآن میں اللہ تعالی کی ذات وصفات کے متعلق یوں بیان ملتا ہے۔

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍO عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ[1]

اللہ ہی جانتا ہے کہ ہر مادہ (مونث) کیا اٹھائے ہوئے ہے اور ارحام کیا گھٹاتے اور کیا بڑھاتے ہیں اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک (معین) مقدار ہے۔ (وہ) پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا بزرگ برتر ہے۔

یہ بلاغت کے وہ چند نمونے تھے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن کریم بلاغت کے اس بلند مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے جو انسانی عادت سے خارج ہے اس بات کو فصحائے عرب اپنے سلیقہ سے سمجھتے ہیں اور عجمی علماء علم بیان کی مہارت اور اسالیب کلام کے احاطہ سے اور جو شخص لغتِ عرب سے جتنی زیادہ واقفیت رکھتا ہوگا وہ بہ نسبت دوسروں کے قرآنی اعجاز کو زیادہ سمجھے گا۔

دوسری خصوصیت:

دوسری چیز جو قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ اس کی عجیب ترکیب، نادر اسلوب، آیتوں کے آغاز وانتہا کا انداز، ساتھ ہی اس کے علم بیان کے دقائق اور عرفانی حقائق پر مشتمل ہونا، نیز حسن عبارت اور اعلیٰ اشارے، سلیس ترکیبیں اور بہترین ترتیب، ان مجموعی خوبیوں کو دیکھ کر بڑے بڑے ادباء کی عقلیں حیران ہیں۔

قرآن کی فصاحت وبلاغت کو معجزانہ حد تک پہنچادینے میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ کسی بڑے سے بڑے ہٹ دھرم کو بھی یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ معاذاللہ اس کلام میں سرقہ پایا جاتا ہے۔ دوسرا

---

[1] الرعد ۷۰

اللہ کلام انسانوں کے کلام سے اس حد تک ممتاز ہو جائے کہ کسی بڑے سے بڑے ادیب و شاعر کا کلام اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔

تیسری خصوصیت:

قرآن کریم آنے والے واقعات کی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے جو بالآخر سو فیصد درست ثابت ہوئیں۔ مثال کے طور پر:

الف) مسجد الحرام میں داخل ہونے کی پیش گوئی:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۖ[1]

تم لوگ اپنے سر تراش کر اور بال کتروا کر امن کے ساتھ بلا خوف مسجد الحرام میں ضرور داخل ہو گے۔

ب) خلافت کی پیش گوئی:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ[2]

تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجالائے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں اس طرح جانشین ضرور بنائے گا جس طرح ان سے پہلوں کو جانشین بنایا اور جس دین کو اللہ نے ان کے لیے پسندیدہ بنایا ہے اسے پائیدار ضرور بنائے گا اور انہیں خوف کے بعد امن ضرور فراہم کرے گا، وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اختیار کریں گے پس وہی فاسق ہیں۔

---

[1]۔ الفتح ۲۷

[2]۔ النور ۵۵

ج) دین کے غلبہ و ظہور کی پیش گوئی:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ[1]

اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اسی نے بھیجا ہے تاکہ اسے ہر دین پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو برا ہی لگے۔

د) فتح خیبر کی پیش گوئی:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا[2]

بتحقیق اللہ ان مومنین سے راضی ہو گیا جو درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے، پس جو ان کے دلوں میں تھا وہ اللہ کو معلوم ہو گیا، لہٰذا اللہ نے ان پر سکون نازل کیا اور انہیں قریبی فتح عنایت فرمائی۔

ھ) فتح مکہ کے بارے قرآن مجید اس طرح پیش گوئی فرماتا ہے:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُO وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًاO[3]

جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لیں۔

اسی طرح کی بیسیوں آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آنے والے واقعات کی خبریں قبل از وقت پہنچا دیں اور یہ قرآن کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔

چوتھی خصوصیت:

---

[1]۔ التوبہ ۳۳

[2]۔ الفتح ۱۸

[3]۔ (النصر ۱،۲)

یہ امر قطعی ہے کہ آپ ﷺ امی تھے اور کسی دنیاوی معلم کے آگے آپ ﷺ نے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا تھا مگر آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں گزشتہ امتوں اور قوموں کے ان حالات کا ذکر فرمایا جن میں سبق عبرت بھی ملتا ہے اور تاریخ پر بھی سیر حاصل معلومات میسر آجاتی ہیں۔

مثال کے طور پر بنی اسرائیل کے گائے کے ذبح کرنے کے واقعہ کو قرآن مجید اس طرح پیش کرتا ہے؛

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ[1]

اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: خدا تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے، وہ بولے: کیا آپ ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں؟ (موسیٰ نے) کہا: پناہ بخدا! میں (تمہارا مذاق اڑا کر) جاہلوں میں شامل ہو جاؤں؟

پانچویں خصوصیت:

قرآن مجید میں ان علوم کلیہ اور جزئیہ کو جمع کیا گیا ہے جو اہل عرب کے یہاں معروف و مروج نہ تھے، بالخصوص علومِ شرعیہ کے دلائلِ عقلیہ پر تنبیہ، سوانح اور مواعظ، احوالِ آخرت، اخلاقِ حسنہ، اس سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ علوم یا تو دینی ہوتے ہیں یا اس کے علاوہ دوسرے علوم اور ظاہر ہے کہ مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے علوم دینی اعلیٰ اور ارفع ہیں، جن کا مصداق علوم عقائد ہیں یا علوم اعمال۔ عقائد دین کا حاصل اللہ اور اس کے فرشتے اور کتب آسمانی اور رسولوں اور یوم آخرت کی پہچان اور شناخت ہے۔ جیسے ذات وصفاتِ خداوند کی معرفت۔ علم الاعمال کا مصداق ان تکالیف اور ذمہ داریوں کو جاننا ہے، جن کا تعلق ظاہری احکام سے ہے، یعنی علم الفقہ اور ظاہر ہے ہر فقیہ نے اپنے مباحث قرآن ہی سے مستنبط کرنے ہوتے ہیں۔

وضو کے احکام کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ[2]

---

[1]۔ البقراء ٦٧

[2]۔ (المائدہ ٦

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو نیز اپنے سروں کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرو۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جو قرآن کو دیگر کتب آسمانی سے ممتاز کرتی ہیں مگر ہم اختصار کے سبب اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

قرآن کا نظامِ زندگی

قرآن مجید ایک آفاقی کتاب ہے جس میں وہ تمام کچھ موجود ہے کہ جس کی انسان کو حاجت ہے، اصل میں یہ کتابِ قانون اور کتابِ معاشرت ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم احسن طور پر زندگی گزار سکتے ہیں اور آخرت میں بارگاہِ الٰہی میں سرخ رو ہو سکتے ہیں ذیل میں ایک واقعہ کو درج کیا جاتا ہے جس میں رسولِ اکرم ﷺ نے ایک جستجو کرنے والے کو اسلام کے بنیادی اہداف و مقاصد بتائے ہیں۔ انہی اہداف و مقاصد میں آدابِ معاشرت موجود ہیں۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ؛

"اوس و خزرج کے درمیان جن دنوں تباہ کن جنگ جاری تھی انھی دنوں میں خزرج قبیلے کا سردار اسعد بن زرارہ مکہ آیا تاکہ اہل مکہ سے کچھ امداد لے سکے تو اسے معلوم ہوا کہ مکہ میں رسول اکرم ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔ ناچاہتے ہوئے بھی وہ ان سے ملنے کے لیے ان کے پاس گیا؛ بعد از سلام اس نے رسول اکرم ﷺ سے دعوتِ اسلام کے اہداف و مقاصد دریافت کیے۔[1] تو جواب میں رسول اکرم ﷺ نے سورہ انعام کی آیات ۱۵۲، ۱۵۱ کی تلاوت فرمائی۔ یہ دونوں آیات زمانہ جاہلیت کے سارے ہی جذبات و عادات اور رسم و رواج کی وضاحت کرتی تھیں اور اس میں اس (اسعد) کی قوم کے درد کا درمان چھپا تھا جو پچھلے ایک سو بیس (۱۲۰) سال سے برادر کشی میں مشغول تھی، چنانچہ اسعد کے دل پر ان کا گہرا اثر ہوا وہ فوراً اسلام لے آیا آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اپنے کسی پیروکار کو مبلغ کے طور پر مدینہ بھیجیں، آنحضور ﷺ نے جناب مصعب بن عمیر کو اسلام کے پہلے مبلغ اور قاری قرآن کی حیثیت سے مدینہ روانہ کیا مدینہ میں ان خدائی آیات کا اتنا اثر ہوا کہ کچھ لوگ فوراً اسلام لے آئے اور اگلے سال حج کے موقع پر اپنے نمائندے مکہ بھیجے، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے

[1] آیۃ اللہ جعفر سبحانی۔ تفسیر موضوعی ج ۱ ص ۳۴

عقبہ کے مقام پر پیغمبر اکرم ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور یہ بیعت "بیعتِ عقبہ " کے نام سے تاریخ میں مشہور ہوئی۔[1]

حضور ﷺ نے سورہ انعام کی جن آیات کو موضوعِ سُخن بنایا تھا اس میں ایک مکمل نظام زندگی موجود ہے اس کو ہم اپنے اس مقالہ کا محور و مرکز بناتے ہیں

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ O وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ[2]

کہہ دیجئے: آؤ میں تمہیں وہ چیزیں بتادوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، (وہ یہ کہ) تم لوگ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین پر احسان کرو اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی اور علانیہ اور پوشیدہ (کسی طور پر بھی) بے حیائی کے قریب نہ جاؤ اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق کے ساتھ، یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ اور یتیم کے مال کے نزدیک نہ جانا مگر ایسے طریقے سے جو (یتیم کے لیے) بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنے رشد کو پہنچ جائے اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمے داری نہیں ڈالتے اور جب بات کرو تو عدل کے ساتھ اگرچہ اپنے قریب ترین رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ جائے اور اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرو، یہ وہ ہدایات ہیں جو اللہ نے تمہیں دی ہیں شاید تم یاد رکھو۔

[1]۔ علامہ مجلسی۔ بحار الانوار، ج ۱۹ ص ۸۔۱۱

[2]۔ الانعام ۱۵۲،۱۵۱

آیت اللہ شیخ محمد حسین نجفی فرماتے ہیں کہ: ان آیات میں اللہ تعالی نے دس ایسے نکات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو کسی بھی معاشرے کے لیے ایک مثالی نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہترین معاشرے کے قیام کے لیے ان دس نکات کا مشعلِ راہ بنایا جاسکتا ہے وہ دس نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بنائیں۔

۲۔ والدین پر (ان کی خدمت کرکے) احسان کریں۔

۳۔ اپنی اولاد کو بھوک اور افلاس کے ڈر سے قتل نہ کریں۔

۴۔ ناجائز اور خلافِ شرع جنسی کاموں سے پرہیز کریں۔

۵۔ جن انسانوں کا خون محترم ہے انہیں قتل نہ کریں۔

۶۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جائیں، بجز اس طریقے کے جو نیک اور اچھا ہو۔

۷۔ ناپ تول میں انصاف اور عدالت برتیں۔

۸۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق ذمہ داری ڈالتا ہے، (اس ذمہ داری کو ادا کریں)۔

۹۔ گفتگو میں انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، خواہ وہ اپنے ہی رشتہ داروں کے بارے کیوں نہ ہو۔

۱۰۔ جو عہد و پیمان خدا سے باندھا ہے اس پر قائم رہیں۔[1]

یہ دائمی منشور ان آیات میں آیا ہے ہر اس معاشرے کی اصلاح کی بنیاد ہے جو چاہتا ہے کہ وہ ترقی کرے۔ قرآن نے ان موضوعات کے بارے میں اور بھی جگہ خصوصاً سورہِ بنی اسرائیل میں گفتگو کی ہے۔ اسلامی دستور کی چند ایک اہم شقیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ [2]
>
> اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو اور مختلف راستوں پر نہ چلو ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں گے، اللہ نے تمہیں یہ ہدایات (اس لیے) دی ہیں تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

[1] ۔ آیۃ اللہ محمد حسین نجفی، فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۳، ص ۲۴۵

[2] ۔ الانعام ۱۵۳

ایک کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ایک ایسے معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے، جس میں وہ تمام ضروری لوازمات موجود ہوں جو ایک مثالی معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔ اور اسلام ہمیں ایسے معاشرے کو تشکیل دینے کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ایک کامیاب زندگی کے لیے کچھ پہلوؤں کا ہونا بہت ضروری ہے جو یہ ہیں۔

۱۔ مذہبی پہلو ۲۔ معاشرتی پہلو ۳۔ عدالتی پہلو

سورہِ انعام کی ان دو آیات میں طرزِ زندگی کے جو دس نکات آئے ہیں وہ بھی انہی کچھ پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں جن کی تفسیر انشاءاللہ آئندہ صفحات کی زینت بنے گی۔

قرآنی نظامِ زندگی کا مذہبی پہلو

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا[1]

کہہ دیجئے: آؤ میں تمہیں وہ چیزیں بتا دوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، (وہ یہ کہ) تم لوگ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔

ایک اسلامی معاشرے کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ اس معاشرے میں زندگی گزارنے والا ہر شخص یکتا پرست ہو، یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان دس فرمانوں میں تحریمِ شرک سے ابتداء کی گئی ہے جو تمام محرمات الٰہی اور معاشرے کی تمام برائیوں کی جڑ ہے اور اختلاف نہ کرنے پر خاتمہ کیا گیا ہے جو ایک طرح کا عملی شرک شمار ہوتا ہے۔

یہ امر ظاہر ہے کہ مسئلہ توحید تمام اصول وفروعِ اسلامی میں کافی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ توحید صرف ایک دینی اصل ہی نہیں بلکہ تمام تعلیمات اسلامی کی روحِ رواں ہے۔

"ہمارے عقائد کے مطابق اللہ تعالیٰ کو تمام جہات سے واحد ماننا ضروری ہے۔ پس جس طرح ذاتِ خدا میں توحید ضروری ہے اسی طرح سے اس کی صفات میں بھی توحید ضروری ہے۔ اس کی صفات عین ذات ہیں پس اس کا یہ مطلب ہو گا کہ علم و

[1] ۔انعام ۱۵۱

قدرت میں اس کا کوئی نظیر نہیں ہے اور خلق و رزق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور تمام کمالات میں اس کا کوئی مد مقابل نہیں ہے"۔[1]

قرآنی نظامِ زندگی کا معاشرتی پہلو

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ [2]

کہد یجئے: آؤ میں تمہیں وہ چیزیں بتادوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، (وہ یہ کہ) تم لوگ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین پر احسان کرو اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی اور علانیہ اور پوشیدہ (کسی طور پر بھی) بے حیائی کے قریب نہ جاؤ اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق کے ساتھ، یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

قرآن میں جس طرزِ زندگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس میں ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کا حکم دیتا ہے جس میں ان تمام افراد کا خیال رکھا جائے، جو کسی نہ کسی طرح سے اسلامی معاشرہ تشکیل دینے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں، ان میں سب سے پہلے والدین آتے ہیں۔ اس باب میں معاشرتی پہلو بیان کرتے ہوئے سورہ انعام کی آیات کی روشنی میں درج ذیل امور کو زیرِ بحث لایا جائے گا:

۱۔ والدین

۲۔ اولاد

۳۔ جنسی بے راہ روی

۴۔ نفس محترم کا قتل

۵۔ مال یتیم کی رعایت

[1] ۔ علامہ مظفر رضؒ، عقائد امامیہ، ص ۳۴

[2] ۔ الانعام ۱۵۱

ا۔والدین

انسان اپنی زندگی گزارنے کے لیے مختلف افراد کا محتاج ہوتا ہے جو اس کی مختلف حالات میں مختلف ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ان افراد میں سے والدین کو اولیت حاصل ہے کیونکہ اس دنیا میں انسان قدم رکھنے سے بھی پہلے جس افراد کا محتاج ہے وہ والدین ہیں۔پس اگر انسان پوری زندگی انکا شکر ادا کرتا رہے تو یہ کم ہے۔والدین کی خدمت اور ان کے لیے جانثاری سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوسری خدمت نہیں۔چنانچہ ضمیر کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے مہر محبت سے پیش آیا جائے،ساری زندگی ان کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا جائے،والدین کے ساتھ کس طرح نیکی کی جائے اس کے بارے ارشاد ہوتا ہے:

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا [1]

اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے پاس ہوں اور بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا بلکہ ان سے عزت و تکریم کے ساتھ بات کرنا۔

اگر شریعتِ اسلام کا حکم نہ بھی ہوتا کہ ان کے ساتھ خوش رفتاری سے پیش آیا جائے تب بھی حق شناسی اور شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے پیہم احسانات کے بدلے میں ان کے حقوق کا اعتراف کیا جائے اور ان کا احترام ملحوظِ خاطر رکھا جائے چہ جائیکہ شریعت نے بھی ان کے ساتھ نیکی کتنے کا حکم دیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا [2]

اور مہر و محبت کے ساتھ ان کے آگے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو اور دعا کرو: میرے رب! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا تھا۔

روایت میں ہے کہ:

---

[1]۔الاسراء ۲۳

[2]۔الاسراء ۲۴

قال رسول الله ﷺ: سید الابرار یوم القیامۃ رجل برَّ ولدیہ بعد موتھما

قیامت کے دن نیک افراد میں وہ شخص زیادہ خوش ہوگا جو اپنے والدین کے ساتھ مرنے کے بعد بھی نیکی کرتا ہے۔[1]

فوت ہوجانے کے بعد نیکی کرنے سے مراد ان کی نمازیں پڑھنا اور ان کے لیے قرآن خوانی کرنا ہے۔ اہلبیت علیہم السلام کی روایات میں اولاد کے جو حقوق ذکر کیے گئے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور متعدد کتب اس عنوان سے لکھی جاچکی ہیں یہ بات مسلم ہے کہ والدین، بچوں کے حقوق کے عہدیدار ہیں اور ان کے حقوق جو روایات واحادیث میں ذکر ہوئے ہیں انکا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔اولاد کا اچھا نام انتخاب کرنا۔

۲۔اس کی ماں کا احترام کرنا۔

۳۔والدین سے منسوب کرنا۔

۴۔اس کی صفائی کا خیال رکھنا۔

۵۔اس کی مناسب غذا کی فراہمی کو یقینی بنانا۔

۶۔اس کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھنا۔

۷۔اس سے محبت کرنا۔

۸۔اس کا اکرام کرنا۔

۹۔نیک کاموں میں اس کی مدد کرنا۔

قرآن و روایات میں متعدد دعائیں ایسی ہیں جو اولاد کے حقوق کو واضح کرتی ہیں۔امام زین العابدین علیہ السلام نے صحیفہ میں بھی ایک دعا کو ذکر کیا ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اولاد کی تربیت اور اس کی غذا کی فراہمی کتنی ضروری ہے۔

۳۔ جنسی بے راہ روی

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ[2]

---

[1]۔ مفاتیح الحیاۃ: ایت اللہ جوادی آملی

[2] ۔انعام: ۱۵۱

اور علانیہ اور پوشیدہ (کسی طور پر بھی) بے حیائی کے قریب نہ جاؤ

معاشرہ ایک جسم کی مانند ہوتا ہے کہ جس میں ہر عضو دوسرے عضو کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور ایک عضو بیمار ہو جائے تو اس کا اثر دوسرے عضو کو بھی پہنچے گا، اس کے ساتھ ساتھ اگر خدانخواستہ وہ جسم کا حصہ گلنے سڑنے پر آجائے تو اپنے ارد گرد کے اعضاء کو بھی زیرِ عتاب لائے گا، یہی حال اس معاشرے کا ہے جہاں ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں دوسرے لوگوں کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اس شخص کو کوئی ایسی روحانی وجسمانی بیماری لگ جائے جو چھوت کے مشابہ ہو تو وہ شخص پورے معاشرے کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔ ان روحانی بیماریوں میں سے ایک جنسی بے راہ روی ہے۔ یہ وہ بیماری ہے جو اندر ہی اندر سے معاشرے کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ اور معاشرہ دیکھتے ہی دیکھتے تنزلی کی راہ پر چل نکلتا ہے، جنسی بے راہ روی کے بے قابو ہونے کے بارے استاد شہید مطہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"انسان فطری حاجتوں کے اعتبار سے تیل کے کنویں کی مانند ہے جس میں اندرونی گیسوں کا اکٹھ اس کے پھٹ پڑنے کا خطرہ پیدا کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کی گیس کو خارج کر کے اسے جلا دینا چاہیے لیکن اس عمل کو اعتدال کے ساتھ انجام دینے کی ضرورت ہے۔ جب معاشرہ کان، آنکھ، اور ہاتھ کی آزادی سے خواہشات میں طوفان کے اسباب فراہم کرے اور پھر تسکین دینے والے عم کے ذریعے اس بے قید جزبہ کو سکون بخشنا چاہے تو یہ بات ناقابلِ اثر ہو گی، ہر گز اس طریقے سے سکون و تسکین میسر نہیں آسکتی بلکہ حالات اس کے برعکس ہوں گے اور تلاطم و اضطراب میں اضافہ ہو گا اور خواہش کی نارسائی نفسانی عوارض کو جنم دے گی جس کے نتیجے میں جرائم فروغ پائیں گے۔"[۱]

پس اس امر کی ضرورت ہے کہ ان بے قابو خواہشات کو قابو میں لایا جائے اور خواہشات کی تکمیل کے لیے کسی راہِ حل کا انتخاب کیا جائے

جنسی میلانات کے بے قابو سمندر کو روکنے کے لیے قرآن نے متعدد طریقے وضع فرمائے ہیں، روایات واحادیث میں آیا ہے کہ "تمام برائیوں کا مبدا و ماخذ شراب ہے" ارشاد ہوتا ہے:

---

[۱] استاد شہید مطہری، عورت پردے کی آغوش میں۔ ص ۱۰۴

الخمر جماع الثم و ام الخبائث و مفتاح الشرِ[1]

پس شراب وہ خبیثہ چیز ہے کہ جس میں اتنا مفسدہ پایا جاتا ہے کہ یہ دیگر کئی خباثتوں کو جنم دے دیتی ہے۔

قرآن مجید میں مقام تہمت سے بچنے کے لیے آنکھ پر قابو رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ. وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا[2]

آپ مومن مردوں سے کہدیجئے: وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کو بچا کر رکھیں، یہ ان کے لیے پاکیزگی کا باعث ہے، اللہ کو ان کے اعمال کا یقیناً خوب علم ہے۔ اور مومنہ عورتوں سے بھی کہدیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو بچائے رکھیں اور اپنی زیبائش (کی جگہوں) کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس میں سے خود ظاہر ہو۔

''غض'' بروزن ''خز'' سے مشتق ہے جس کے معانی کم کرنا اور گھٹانا کے ہیں اور بہت سی جگہوں ہر آواز دھیمی کرنے اور نگاہ جھکانے کے معانی میں استعمال ہوا ہے، اسی بنا پر آیت کہتی ہے کہ اپنی نگاہ کو جھکاو، نظر کو نیچا رکھو یہ ایک لطیف مفہوم ہے کہ نامحرم عورتوں کے روبرو ہونا پڑے تو اپنی نگاہ کو جھکا لو کیونکہ اگر آنکھیں بند کریں گے تو راستہ کو نہیں دیکھ سکیں گے لیکن اگر اس کے بدن وصورت پر نگاہ پڑے تو تم اپنی نگاہ کو جھکا لو اور جس چیز کو دیکھنے سے منع کیا ہے اس سے نظر ہٹا لو۔[3]

کسی معاشرے کی ترقی وارتقاء کا انحصار اس میں بسنے والے انسانوں میں ہوتا ہے اور اگر اس میں بسنے والے انسان ہی استحصال کا شکار ہوں تو وہ معاشرہ بھلا کیسے ترقی کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ لوگ غلامی کی زندگی بسر کرتے ہوں یا اپنا حق لینے سے گھبراتے ہوں تو بھلا وہ معاشرہ کیسے ترقی کر سکتا ہے؟

[1]۔ علامہ رضی، نہج البلاغہ حکمت نامہ ج ۲

[2]۔ النور ۳۱،۳۰

[3]۔ آئینہِ حقوق، ایضا، ص ۹۹

پس اس بگاڑ کی درستگی کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرے میں احساس جرات پیدا کیا جائے، جب اس معاشرے میں احساسِ جرات پروان چڑھے گا تب ہی تو وہ معاشرہ ترقی کرے گا اور معاشرے میں رہنے والے استحصال کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے۔

برے کاموں اور بری خواہشات کی تکمیل بھی ایک معاشرے کے استحکام کے لیے زہر قاتل شمار ہوتی ہے۔ خداوند متعال پاک صاف معاشرے کو پسند کرتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ[۱]

بے شک خدا توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

بے جا خواہشات اور جنسی بے راہ روی انسان کو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور اس بدکاری کا مرتکب انسان خود تو برباد ہوتا ہی ہے ساتھ دوسروں کو بھی خراب کرتا ہے اور ایک صحت مند معاشرے کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔

۴۔ نفس محترم کا قتل

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ[۲]

اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق کے ساتھ، یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنائی تو اس کی تنہائیوں کو ختم کرنے کے لیے ایک مخلوق کو شرفِ خلقت بخشا اور اپنی اس بہترین مخلوق جس کا نام انسان رکھا، کے لیے اپنی دیگر مخلوقات کو خدمت میں لگا دیا،

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ[۱]

تَشْكُرُونَ[۱]

---

[۱]۔ البقراء ۲۲۲

[۲]۔ انعام: ۱۵۱

اور اسی نے (تمہارے لیے) سمندر کو مسخر کیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنہیں تم پہنتے ہو اور آپ دیکھتے ہیں کہ کشتی سمندر کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہے تاکہ تم اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور شاید تم شکر گزار بنو۔

پس وہ انسان جس کی خلقت کے ساتھ ہی اس کے لیے اللہ نے اتنی چیزیں مسخر کر دیں آخر اس کی کوئی تو قیمت ہو گی، پس اس بیش قیمت انسان کی جان اتنی سستی نہیں کہ کوئی بھی اس کو ابدی نیند سلادے ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ

اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق کے ساتھ۔

جس انسان کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔ جس شخص کا اللہ نے خون بہانا حرام قرار دیا ہے اس سے مراد اس شخص کو قتل کرنا ہے جو قصاص، زنائے محصن، فساد فی الارض، اور ارتداد کی وجہ سے واجب القتل نہ ہو، شریعتِ مقدسہ میں اس کا قتل کرنا گناہانِ کبیرہ میں سے ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے پانچ سزاؤں کی تحدید فرمائی ہے،

ارشادِ قدرت ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا[2]

اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہو گی اور ایسے شخص کے لیے اس نے ایک بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

نفس محترم کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے، اس کے بارے تفسیری کتب میں تفصیل کے ساتھ بحث موجود ہے۔

[1] سورہ النحل ۱۴

[2] سورہ النساء ۹۳

۵۔مال یتیم کی رعایت

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ[1]

اور یتیم کے مال کے نزدیک نہ جانا مگر ایسے طریقے سے جو (یتیم کے لیے) بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنے رشد کو پہنچ جائے۔

بچے اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت ہیں جن کی تربیت اور پرورش کرنے والے کو بھی قرآن نے "رب" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، جب اس بچے کے سر سے ان دو ارباب (ماں یا باپ) میں سے ایک کا سایہ اُٹھ جائے تو گویا اس وقت اس بچے پر قیامت آجاتی ہے، اسلام نے یتیم کے حقوق کی بڑی تاکید کی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ[2]

لٰہذا آپ یتیم کی توہین نہ کریں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْ[3]

اور یہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہدیجئے: ان کی اصلاح بہت اچھا کام ہے۔

گزشتہ شریعتوں میں بھی یتیم کے ساتھ شفقت اور رحمدلی کی تاکید کی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ[4]

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا (اور کہا) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور (اپنے) والدین، قریب ترین رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں پر احسان کرو۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] ۔انعام: ۱۵۲

[2] ۔سورہ الضحیٰ ۹

[3] ۔سورہ بقرہ ۲۲۰

[4] ۔بقراء ۸۳

حث اللہ عزوجل علی برا لیتامیٰ، لانقطاعهم عن آبائهم "

جو شخص یتیم کی حفاظت کرتا ہے۔ خدا اس کی حفاظت کرتا ہے، کیونکہ یتیم اپنے والدین سے جدا ہوتا ہے۔[1]

معصوم علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ اللہ فی الایتام فلا تغبوا افواههم ولا یضیعوا بحضرتکم"

خدا کے لیے خدا کے لیے یتیموں پر توجہ دیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھوکے رہ جائیں، اور تمہاری موجودگی میں تباہ ہو جائیں۔[2]

ایسی اور بھی بہت کی روایات ہیں مگر ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے، اس بحث کو مکمل کرتے ہیں، اس بحث میں ہم نے سورہ انعام کی روشنی میں پانچ معاشرتی ابعاد کو زیر بحث لایا، جس کی اگر رعایت کی جائے تو اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کے ساتھ ساتھ انسانی شرف و کمال بھی حاصل ہوتا ہے اور ایک بہترین قرآنی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

قرآنی نظامِ زندگی میں عدل وانصاف کا پہلو

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ[3]

اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمے داری نہیں ڈالتے اور جب بات کرو تو عدل کے ساتھ اگرچہ اپنے قریب ترین رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔

اسلام ایک ایسے معاشرہ کا نقشہ پیش کرتا ہے کہ جس میں ایک میزان اور عدالت کو سامنے رکھ کر روز مرہ کے فیصلے جات کیے جائیں اور جس میں عدل و ابصاف کا بول بالا ہو اور اس میں کسی قسم کی بے اعتدالی نہ ہو اور اس معاشرے کا ہر فرد اپنے معاملات میں میانہ روی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے، ہمہ وقت عدالتِ خدا کے حضور میں اپنے آپ کو حاضر و ناظر سمجھیں۔

[1]۔ آیہ اللہ جوادی آملی۔ مفاتیح الحیات ص ۳۹۳

[2]۔ آیۃ اللہ کلینی، الکافی ج ۷ ص ۴۷

[3] ۔انعام: ۱۵۲

چونکہ عدل وانصاف بھی ایک معاشرے کے لوازمات میں سے ہے، تاہم اس کو گزشتہ بحث میں ہی ذکر کرنا چاہیے تھا مگر، گزشتہ بحث کی طوالت کے باعث ضروت محسوس ہوئی کہ اس کے لیے ایک علیحدہ بحث کو تشکیل دیا جائے تاکہ اس میں زیر بحث تمام مطالب کو اچھی طرح بیان کیا جاسکے۔

اس باب میں ہم درج ذیل ابعاد کو زیرِ بحث لائیں گے:

۱۔ ناپ تول میں انصاف

۲۔ ذمہ داری کی ادائیگی

۳۔ بات چیت میں عدل یا فیصلہ کرنے میں عدالت

۴۔ پیمانِ خدا کو پورا کرنا۔

۱۔ ناپ تول میں انصاف

کسی بھی معاشرے میں بُرائی کی ابتداء تب ہوتی ہے جب اس میں روز مرہ کی اشیاء کے لین دین میں ناپ تول میں کمی کی جاتی ہے اور اس سے بڑھ کر جب اس معاشرے میں اس قبیح عمل کو بُرا تصور ہی نہیں کیا جاتا، ایسی ہی مثال ہمیں گزشتہ انبیاء کرام علیھم السلام کی امتوں میں ملتی ہے مثال کے طور پر قرآن بعض موقعوں پر پیغمبر عالی قدر حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے کہتا ہے کہ وہ مسلسل اس پر اصرار کرتے ہیں کہ:

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ[1]

اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو

وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ[2]

اور اے میری قوم! انصاف کے ساتھ پورا ناپا اور تولا کرو۔

"القسط"

پس قرآن ایک دائمی منشور ہے اور یہ پورے معاشرے کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

[1] ۔ ھود ۸۴

[2] ۔ ھود ۸۵

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا[1]

اور تم ناپتے وقت پیمانے کو پورا کر کے دو اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھو، بھلائی اسی میں ہے اور انجام بھی اسی کا زیادہ بہتر ہے۔

"قسطاس" قاف کے نیچے کسرہ اور پیش کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے، اگر کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا وزن مقیاس بنے گا اور اگر ضمہ کے ساتھ ہو تو قرآن، اس کا معانی ترازہ ہے، علامہ فیض کاشانی لکھتے ہیں:

القمی عن باقر علیه السلام هوا لامیزان الذی له لسان[2]

جناب قمی امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ (قسطاس) ترازو وہ میزان ہے کہ جس زبان ہو (دو پلڑوں کا توازن بتانے والی سوئی ہو)۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جو ترازو اس سوئی کے بغیر ہوتے ہیں وہ دونوں پلڑوں کی حرکات اور توازن کو پوری طرح واضح نہیں کر سکتے، لیکن اس سوئی کے ہوتے ہوئے تھوڑی سی بھی حرکت کو دیکھا جا سکتا ہے، اسی سلسلے میں رسول خدا کا یہ فرمان بھی وارد ہوا ہے کہ:

من اقتصد فی معیشته رزقه الله و من بذر حرمه الله

جو آدمی معیشت میں میانہ روی کرتا ہے خدا اسے روزی عطا کرتا ہے اور جو آدمی اسراف کرتا ہے خدا اسے اس سے محروم کر دیتا ہے۔[3]

وزن میں کمی کرنے کا نقصان:

قرآن میں بارہا جگہ پر کم فرشی کی مذمت کی گئی ہے اور اس کے خاتمے کی طرف زور دیا گیا ہے، ایک مقام پر یہ مسئلہ وسیع عالم ہستی کے نظامِ خلقت کے ہم پلہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ-أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ[4]

---

[1]۔ الاسراء ۳۵

[2]۔ الفیض کاشانی، کتاب الصافی فی تفسیر القرآن ج ۱، ص ۹۶۹

[3]۔ الکافی ج ۲

[4]۔ سورہ الرحمٰن ۸،۷

اور اسی نے اس آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔ تاکہ تم ترازو (کے ساتھ تولنے) میں تجاوز نہ کرو۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ناپ تول پورا رکھنا کم اہم مسئلہ نہیں ہے بلکہ اصل عدالت اور اس کی آفرینش کے نظم و ضبط کا حصہ ہے جو پورے عالم ہستی پر حکم فرما ہے، ایک اور جگہ پر تو دھمکی آمیز لہجہ میں ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ Oالَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَO وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَO أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَO لِيَوْمٍ عَظِيمٍ[1]

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا تولتے ہیں، اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں سوچتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے، ۵۔ ایک بڑے دن کے لیے؟

۲۔ استطاعت کے مطابق ذمہ داری کی ادائیگی

آج کے زمانے میں متمدن معاشروں میں اسلام کی مقبولیت اور اس کے پھیلاؤ کے کئی اسباب محققین نے بیان کیے ہیں۔ جو کہ سب ہی اہم سمجھے جاتے ہیں، مگر اس نکتے کی طرف کم توجہ کی گئی ہے کہ اسلام کے اصول و فروع کس قدر آسان اور سہل ہیں چنانچہ اس کے سارے اصول و فروع اس کے عقائد اور احکان ہر دور میں ہر شخص کو سمجھ میں آسکتے ہیں اور نگاہوں میں روشن ہو سکتے ہیں۔ یہی وہ آسانی اور سہولت تھی کہ جس کی بناء پر لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقے میں داخل ہوئے کیونکہ وہ لوگ اپنے گزشتہ مذاہب کے پیچ و خم سے تھک چکے تھے لہذا انہیں ایک ایسے مذہب کی ضرورت تھی جس میں وسعت کے ساتھ ساتھ سہل اور آسانی ہو، تثلیث پرستی اور یہودیت کے خداؤں کے مقابلے میں توحید پرستی آسان اور سہل تھی کہ جس میں فقط ایک خدائے لم یزل ولا یزال کی ربوبیت اور الوہیت پر ایمان لانا تھا کہ جس کا تعارف فقط ایک سورہ "التوحید" کی پانچ آیات میں اسقدر واضح اور مختصر کروایا گیا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام اور شائبہ باقی نہیں رہتا۔ پس اسلام کے اس عقیدہ توحید کی مانند باقی عقائد اور عبادات میں بھی معموں اور فضول باتوں کے بجائے واضح پر دعوت عمل دی گئی

[1] ۔ سورہ المطففین ۱۔۵

ہے۔پس اسلام اس بات کا قائل ہے کہ ایسی بات جو انسان کی عقل کی وسعت سے باہر ہو اسلام اس کا قطعاً حکم نہیں دیتا، بلکہ عقلی اور منطقی طریقے سے اسے بجالانے کی دعوت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ [1]

اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

قرض خواہ کی تکلیف دہ حالت میں اس سے قرض کے مطالبے کی صورت میں قرآن نے نرمی کے پہلو کو اپنانے کی دعوت دی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ [2]

اور (تمہارا قرضدار) اگر تنگدست ہو تو کشائش تک مہلت دو۔

۳۔ بات چیت میں عدل یا فیصلہ کرنے میں عدالت

اللہ تعالیٰ سورہ نحل میں فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ [3]

یقیناً اللہ عدل اور احسان اور قرابتداروں کو (ان کا حق) دینے کا حکم دیتا ہے۔

اس سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف عدل و احسان کو پسند کرتا ہے بلکہ اس کا حکم بھی دیتا ہے، ظاہر سی بات ہے جب تک ایک معاشرہ عدل و انصاف کا عادی نہیں ہو گا اس وقت تک کسی بھی صاحبِ حق کو اس کا حق نہیں ملے گا پس تنظیم معاشرت اور صاحبِ حقوق کے حقوق کے حصول کے لیے اس اصول کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے۔خود بانی شریعت حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خطاب کر کے کہا: اے حبیب ﷺ آپ فرمادیں:

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ [4]

اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔

---

[1]۔ سورہ بقرہ ۱۸۵

[2]۔ سورہ بقرہ ۲۸۰

[3]۔ النحل: ۹۱

[4]۔ سورہ شوریٰ ۱۵

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کرتے وقت اتباعِ نفس کی سختی سے ممانعت کی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ[1]

لٰہذا لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش کی پیروی نہ کریں، وہ آپ کو اللہ کی راہ سے ہٹادے گی۔

امیر المؤمنین علیہ السلام عدل کے قیام کو ایک بہت اہم امر شمار کرتے ہیں، جس کے راستے میں کئی رکاوٹیں ہیں، قرآن مجید اس رکاوٹ کے حقیقی وجہ نفسانی خواہشات کو بتاتا ہے اور تاکیدی طور پر حکم دیتا ہے کہ ان کی پیروی نہ کروتا کہ یہ وجوہات تم کو انصاف سے نہ روک دیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا[2]

لٰہذا تم خواہش نفس کی وجہ سے عدل نہ چھوڑو۔

۴۔پیمانِ خدا کو پورا کرنا

بہت سے معاشرتی روابط، اقتصادی نظام، اور سیاسی مسائل عہد و پیمان کے گرد گھومتے ہیں اور عہد و پیمان متزلزل ہو جائے اور اعتماد اٹھ جائے اور اعتماد اٹھ جائے تو معاشرے کا نظام تیزی سے درہم برہم ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ قرآنی آیات میں ایفائے عہد پر بہت زور دیا گیا ہے۔

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا[3]

اور عہد کو پورا کرو، یقیناً عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

نیک لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے،:

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ[4]

---

[1]۔ سورہ ص ۲۶

[2]۔ نساء ۱۳۵

[3]۔ سورہ اسراء ۳۴

[4]۔ المومنون ۸

اور وہ جو اپنی امانتوں اور معاہدوں کا پاس رکھنے والے ہیں۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آیا ہے کہ وعدے کی وفاداری کرنا مومن کی نشانیوں میں سے ایک ہے:

من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیف اذا وعدہ

جو شخص خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے وعدے کو پورا کرے۔[1]

نتیجہ:

قرآن کی تعلیمات عمومی اور ابدی ہیں کیونکہ اب قیامت تک نہ شریعت منسوخ ہوگی اور نہ ہی کسی اور کتاب کو اب آنا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں وہ سب بیان کر دیا ہے جس کی کسی بھی کامل اور دینی معاشرے کو ضرورت ہوتی ہے تاہم اور قرآن میں موجود سورہ انعام اور تورات کے ان دس احکام کو سامنے رکھا جائے تو درج ذیل نتیجہ زیرِ ہاتھ آتا ہے:

۱) گواہی دینے کے متعلق قرآن میں عموم پایا جاتا ہے، قرآن نے نا صرف ہمسائے بلکہ ہر شخص کے لیے جھوٹی گواہی دینا مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔

۲) قرآن میں نہ صرف زنا بلکہ وہ تمام افعال کہ جو جنسی بے راہ روی کا موجب بنتے ہیں ان سب سے ممانعت فرمائی ہے

۳) قرآن میں نہ صرف والدین کے لیے احترام کا حکم دیا ہے بلکہ والدین سے احسان اور نیکی کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔

۴) قرآن میں والدین کے ساتھ ساتھ اولاد کے حقوق کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۵) قرآن میں یتیم کے متعلق احکام کی حد بندی کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب تک یتیم کی رضا شامل نہ ہو اس کے مال میں تصرف کرنا درست نہیں ہے۔

۶) تورات میں محض گواہی کے متعلق کہا گیا ہے مگر قرآن میں گواہی کے ساتھ ساتھ گفتار میں، ناپ تول میں، اور حتیٰ رشتہ داروں کے ساتھ لین دین میں حدِ اعتدال برتنے کا حکم دیا گیا ہے۔

[1] آیۃ اللہ جعفر سبحانی، تفسیر موضوعی ج ۱ ص ۱۵۴

پس ان تمام نگارشات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن نے ہمیں زندگی گزارنے کا ایک دائمی منشور عطا کیا ہے کہ جس میں ہمیں وہ تمام حقوق میسر آتے ہیں جن کی توقع رکھنی چاہیے اور جس حقوق کی ایک صحت مند معاشرے کو ضرورت ہوتی ہے۔

منابع

۱۔ نجفی، شیخ محسن علی، القرآن الکریم،، اشاعت اول ۲۰۰۰، دار القرآن، جامعہ اہل بیت اسلام آباد

۲۔ مجلسی، الشیخ محمد باقر۔ بحار الانوار الجامعۃ للدر راخبار الآئمۃ الاطہار، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۳ھ، موسسۃ الوفاء بیروت لبنان

۳۔ الکلینی، ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب، اصول الکافی، ۱۳۸۵ش، انتشارات اسوہ قم

۴۔ الجرجانی، العلامہ علی ابن محمد الشریف لحسنی الحنفی کتاب التعریفات:، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۳۳، دار النفائس بیروت

۵۔ الجوھر، الامام اسماعیل بن حماد معجم الصحاح:، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۶، دار المعرفہ البیروت

۶۔ الابی الحسین احمد بن فارس بن زکریا معجم المقاییس فی اللغۃ:، دار الفکر بیروت

۷۔ مترجم ابن سرور محمد اویس المعجم الوسیط،، ناشر مکتبہ رحمانیہ

۸۔ خمینی، سید روح اللہ الموسوی، مترجم شیخ محمد علی توحیدی، تفسیر و شواہدِ قرآنی، اشاعت اول ۲۰۱۵ء، معراج کمپنی لاہور

۹۔ الشریف، علامہ رضیؒ، مترجم علامہ مفتی جعفر صاحب اعلی اللہ مقامہ، نہج البلاغہ، طبع اول ۱۴۳۴ھ، نیاز کمپنی ۳۸۔ اردو بازار لاہور

۱۰۔ آملی، آیۃ اللہ جوادی، تفسیر موضوعی قرآن کریم (توحید در قرآن)، طبع ھفتم ۱۳۹۳ش، مرکزِ نشر اسراء قم ایران

۱۱۔ شیرازی، آیت اللہ مکارم، ہمارے عقائد، طبع اول ۲۰۱۳، معراج کمپنی لاہور

۱۲۔ حلی، علامہ حسن بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ مترجم استاد محسن غرویان، باب حادی عشر، طبع اول ۱۳۸۶ش، مؤسسہ انتشارات دار العلم قم ایران

۱۳۔ فاضل علامہ مقداد علیہ الرحمہ مترجم سید محمد قاسم صاحب قبلہ زیدی، احسن العقائد، رحمت اللہ بک ایجنسی کراچی

۱۴۔ النراقی، محمد مہدی رحمۃ اللہ علیہ، جامع السعادات، الطبعۃ الرابعۃ، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات بیروت لبنان
۱۵۔ مفتی، جعفر حسین مرحوم (مترجم)۔ صحیفہ کاملہ سجادیہ، طبع اول ۲۰۱۲ء، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور
۱۶۔ شیرازی، آیت اللہ مکارم، مترجم علامہ سید صفدر حسین مرحوم، تفسیر نمونہ، ۲۰۱۳، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور
۱۷۔ الطبرسی، الشیخ ابی الفضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۸ھ، دار المعرفہ بیروت لبنان
۱۸۔ نقوی، علامہ سید علی نقی، حجاب، ۲۰۱۵ معراج کمپنی لاہور
۱۹۔ ایروانی، آیہ اللہ باقر، دروس تمہیدیہ فی فقہ الاستدلالی، الطبعۃ الثانیۃ العشرۃ ۱۳۹۶ش، مرکز الجامعہ المصطفیٰ العالمیہ للترجمہ والنشر الباکستان
۲۰۔، ڈاکٹر محمود رامیا، تاریخ القرآن، ۲۰۱۳، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور
۲۱۔ تورات، ۲۰۱۱، پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور
۲۲۔ اصفہانی، امام راغب: المفردات القرآن، ناشر شمس الحق لاہور
۲۳۔۔ جارج جرداق، مترجم سید محمد باقر النقوی، ندائے عدالتِ انسانی، طبع اول ۲۰۰۱، مکتبۃ الھمدانی تلہ گنگ
۲۴۔ سبحانی، آیہ اللہ جعفر، الموجز فی اصول الفقہ، الطبعۃ الاولی ۱۴۳۳ھ، مرکز الجامعہ المصطفیٰ العالمیہ للترجمہ والنشر الباکستان
۲۵۔ کاظم عابدینی مطلق، نہج الفصاحہ، طبع چہارم ۱۳۹۴ش، آفرینہ قم ایران
۲۶۔ الفیض کاشانی۔ محمد بن مرتضیٰ، کتاب الصافی فی تفسیر القرآن، طبع پنجم، المکتبہ الاسلامیہ تہران ایران
۲۷۔ خامنہ ای، اقای علی حسینی، شخصیت علی، ۲۰۱۵، معراج کمپنی لاہور
۲۸۔ سبحانی، آیۃ اللہ استاد جعفر تفسیر موضوعی قرآن کا دائمی منشور،، ۲۰۱۳، مصباح القرآن لاہور
۲۹۔ خمینی، آیۃ اللہ امام روح اللہ موسوی، تحریر الوسیلہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۱ھ موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ تہران ایران
۳۰۔ النجفی، آیت اللہ الشیخ محمد حسین، فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن،، ۲۰۱۵، مصباح القرآن۔
۳۱۔ السیستانی، آیۃ اللہ علی حسینی، توضیح المسائل، طبع اول ۱۴۱۴ھ، جامعہ تعلیمات السلامی پاکستان کراچی
۳۲۔ مظفر، علامہ الشیخ محمد رضا، عقائد امامیہ،، مترجم مولانا سید صفدر حسین نجفی، ۲۰۱۴، معراج کمپنی لاہور

۳۴۔امام سجاد علیہ السلام مترجم، قبلہ محمد علی توحیدی، رسالۃ الحقوق،، ۲۰۱۵، العتبۃ الحسینیہ المقدسہ
۳۳۔ شہید مطہری، سید مرتضیٰ، فطرت، ۲۰۱۵، معراج کمپنی
۳۵۔ دیوان علامہ اقبال، ۲۰۱۲، اقبال اکادمی پاکستان
۳۶۔ الحر العاملی، الامام الشیخ محمد بن الحسن، وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ۔ الطبعۃ السادسۃ ۱۹۹۱، دار الاحیاء التواث العربی بیروت۔
۳۷۔ شہید مطہری، استاد سید مرتضیٰ، عورت پردے کی آغوش میں،، مترجم سید محمد موسیٰ رضوی، ۱۹۹۶، دار الثقافہ الاسلامیہ پاکستان
۳۸۔ الیعقوبی، احمد بن یعقوب ابن واضح، مترجم استاد ثاقب اکبر تاریخ یعقوبی،، ۲۰۱۵، البصیرہ اسلام آباد
۳۹۔ رضا محمد یوسف، قرآن اور دیگر آسمانی کتب کی طرزِ زندگی کا تقابلی جائزہ۔ ۲۰۱۸ء، جامعہ المصطفیٰ العالمیہ اسلام آباد
Ten Commandments (www.Ten Commandments.COM/ Lifehopeandtruth.com.40)

وہ کتب جن سے استفادہ کیا گیا:

۱۔ پیام قرآن، آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی۔ مترجم مولانا سید حسنین عباس گردیزی، مصباح القرآن لاہور
۲۔ مضامین القرآن، حاجی ناصر علی مہندس، مصباح القرآن لاہور
۳۔ آداب فہم قرآن، سید جواد نقوی۔ ۲۰۱۲ متاب پبلشر
۴۔ آئینہِ حقوق، قدرت اللہ مشایخی، معراج کمپنی لاہور
۵۔ دائرہ المعارف القرآن الکریم، پژوھشگاہ علوم و فرھنگ اسلامی مرکز فرھنگ و معارف قرآن قم
۶۔ دائرہ المعارف الاسلامیہ، دار المعرفۃ بیروت
۷۔ مفاتیح الحیاۃ، حضرت آیت اللہ جوادی آملی، مترجم سید ظفر حسین نقوی،۔ معراج کمپنی لاہور
۸۔ تحریر الوسیلہ، حضرت آیت اللہ امام روح اللہ الموسوی الخمینی، موسس تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ
۹۔ مبانی تکملۃ المنہاج، حضرت آیت اللہ سید ابو القاسم الخوئی، مطبعۃ الآداب نجف اشرف
۱۰۔ مجموعہ منتخب مقالات (قرآنی طرزِ زندگی سیمینار ۲۰۱۷) المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کیمپس